اسرار خودی کا انتساب

سید عبدالواحد

اسرار خودی کا پہلا ایڈیشن ۱۹۱۵ میں شائع ہوا تھا۔ اس کا انتساب علامہ نے ملک کے مایہ ناز قانون دان اور نامور سیاسی مدبر سر علی امام کے نام نامی سے ان پرخلوص اور عقیدت سے بھرے اشعار میں کیا تھا۔

پیشکش

بحضور سر سید علی امام مد ظلہ العالی

ای امام ای سید والا نسب — دودمانت فخر اشراف عرب
سلطنت را دید، افروز آمدی — عقل کل را حکمت آموز آمدی
آشنائے معنیء بیگانۂ — جلوہ شمع مرا پروانۂ
مرغ فکرم گلستانہا دیدہ است — از ریاض زندگی گل چیدہ است
این گل از تار رگ جان بستہ ام — تازہ تر در دست تو گلدستہ ام
بود نقش ہستیم انگارہ — نا قبولے نا کسے نا کسار
عشق سوہان زد مرا آدم شدم — عالم کیف و کم عالم شدم
حرکت اعصاب گردون دیدہ ام — در رگ مہ دورۂ خون دیدہ ام
بہر انسان چشم من شبہا گریست — تا دریدم پردہ اسرار زیست
از درون کارگاہ ممکنات — بر کشیدم سر تقویم حیات
من کہ این شب را چو مہ آراستم — گرد پائے ملت بیضا ستم
ملتے در باغ و راغ آوازہ اش — آتش دلہا سرود تازہ اش
ذرہ کشت و آفتاب انبار کرد — خرمن از صد رومی و عطار کرد
آہ گرم رخت برگردون کشم — گرچہ دودم از تبار آتشم
خامہ ام از ہمت فکر بلند — راز این نہ پردہ در صحرا فگند
قطرہ تاہم پایۂ دریا شود — ذرہ از بالیدگی صحرا شود
ملت او جسم است شاعر چشم اوست — چسم را از چشم بینا آبروست
چشم از نور محبت روشنم — اشکبار از درد اعضائے تنم

نذر اشک بیقرار از من پذیر
گریہ بے اختیار از من پذیر

اس ایڈیشن میں علامہ نے حافظ شیرازی کی بابت چند اشعار ایسے لکھدیئے تھے جنکو برصغیر کے اکثر علماً نے پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا۔ اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اس ایڈیشن کے شائع ہوتے ہی برصغیر میں معاندانہ تنقید کا ایک طوفان برپا ہوگیا۔ اس تنقید کے ایک پہلو کا تعلق انتساب سے تھا۔ سرعلی امام برصغیر کے ایک نہایت کامیاب اور صاحب ثروت بیرسٹر تھے اور انتساب کے وقت وہ وائسرائے کی کونسل کے رکن کی حیثیت سے کام کر رہے تھے اور دنیا انکو ایک صاحب ثروت و جاہ کی حیثیت سے ہی جانتی تھی۔ اور اکثر مبصروں نے یہ ہی رائے ظاہر کی تھی کہ ایسی نظم کا انتساب جس میں انسانی خودی کی تشریح اور بیان ہے ایک کامیاب قانون دان یا سلطنت کے اعلیٰ رکن سے کرنا موزوں نہ تھا۔

اسرار خودی کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۱۸ میں شائع ہوا تھا۔ اسکا بھی انتساب سر علی امام کے ہی نام سے تھا۔ مگر انتساب کے بعض اشعار حذف کر دیئے گئے تھے۔ جہاں اصل انتساب میں انیس اشعار تھے اب موجودہ انتساب صرف آٹھ اشعار پر مشتمل تھا۔ یہ اشعار حسب ذیل تھے۔

پیشکش

بحضور سر سید علی امام مد ظلہ العالی

اے امام اے سید والا نسب | دود مانت فخر اشراف عرب
سلطنت را دیدہ افروز آمدی | عقل کل را حکمت آموز آمدی
آشنائے معنیء بیگانۂ | جلوۂ شمع مرا پروانۂ
مرغ فکرم گلستانہا دیدہ است | از ریاض زندگی گل چیدہ است
این گل از تار رنگ جان بستہ ام | تازہ تر در دست تو گلدستہ ام
ملت او جسم است شاعر چشم اوست | جسم را از چشم بینا آبروست
چشم از نور محبت روشنم | اشکبار از دود اعضائے تنم

نذر اشک بیقرار از من پذیر
گریۂ بے اختیار از من پذیر

اس انتساب کو بھی بیشتر ناقدین نے غیر مناسب اور ناموزوں خیال کیا۔ تنقید کا یہ سلسلہ برابر جاری رہا چنانچہ ۱۹۵۵ میں عبدالمجید صاحب سالک اپنی کتاب ذکر اقبال میں یوں رقمطراز ہوئے:۔

''علامہ اقبال نے مثنوی اسرار خودی کو سر علی امام کے نام سے معنون کیا۔ اس تعنون کو اکثر لوگوں نے اچھی نظر سے نہ دیکھا۔ معترضین نے کہا کہ جس کتاب میں فلسفہ خودی کی تشریح کی گئی ہے اور ملت کو اغراز نفس اور

اسرار خودی

خودداری کی تعلیم دی گئی ہے اسکو ایک خطاب یافتہ دنیادار اور ایک ریاست کے وزیر اعظم کے نام پر معنون کرنا کیا معنی۔''

(ذکر اقبال صفحہ ۱۱۵)

جناب غلام رسول صاحب مہر نے ۱۹۶۰ء میں انتساب کی بابت ان خیالات کا اظہار کیا :۔

اعتراضات کے سلسلہ میں صرف ایک چیز باقی رہ گئی یعنی اسرار خودی کا انتساب۔ 'اسرار خودی' سر علی امام سے منسوب کی گئی تھی جو پٹنہ کے مشہور بیرسٹر تھے۔ ایگزکٹو کونسل کے ممبر رہے اور بعد میں دولت آصفیہ کے صدراعظم بھی ہوگئے تھے۔ وہ اقبال کے عزیز دوست تھے۔ خواجہ حسن نظامی نے کہا کہ مثنوی کو سر علی امام سے نامزد کرکے اقبال نے اپنی خودی پر چوٹ لگائی ہے۔

(مطالب اسرار و رموز)

عبدالمجید صاحب سالک اورغلام رسول صاحب مہر نے انتساب کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ اپنی جگہ اھمیت کے حامل ھیں مگر اس سلسلہ میں سر عبدالقادر صاحب نے جس رائے کا اظہار کیا ہے وہ ایک خاص دلچسپی رکھتی ہے۔ چونکہ سر عبدالقادر اور علامہ کے تعلقات دوستانہ تھے جنکی بنیاد محبت اور اخلاص پر تھی۔ جناب عاشق بٹالوی اپنی نہایت دلچسپ تصنیف ''چند یادیں اور چند تاثرات'' میں یوں رقمطراز ھیں :۔

''ایک دن میں نے شیخ صاحب سے پوچھا کہ یہ بتایئے ڈاکٹر صاحب نے 'اسرار خودی' سر علی امام کے نام کیوں ڈیڈیکیٹ کی تھی؟ '' جواب میں فرمایا ''تم بتاؤ''

میں نے عرض کیا سوائے اسکے اور کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ سر علی امام اس زمانے میں ھندوستان کے مسلمانوں میں سب سے ذی اقتدار آدمی تھے۔ وہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن تھے۔ ادھر ڈاکٹر صاحب جنہیں پریکٹس کرتے ھوئے مشکل سے چھ سات سال ھوئے تھے اپنے دیگر ھم عصروں کی طرح اس بات کے خواھش مند ھونگے کہ انہیں بھی سرکار دربار میں کوئی اچھا منصب ملے۔ انہوں نے یقیناً سوچا ھوگا کہ سر علی امام کے توسل سے شاید یہ راہ آسان ھوجائے گی۔

شیخ صاحب کہنے لگے ممکن ہے تمہاری رائے درست ھو لیکن میرا خیال مختلف ہے۔ جب سر علی امام وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن تھے تو اسی زمانہ میں عبداللہ یوسف علی گورنمنٹ آف انڈیا میں ڈپٹی سکرٹری تھے۔ عبداللہ یوسف علی پہلے ھندوستانی آئی۔ سی۔ ایس تھے جو حکومت ھند میں

ڈپٹی سیکرٹری کے عہدے پر فائز تھے۔ مجھے ان دنوں شملہ جانے کا اتفاق ہوا۔ اور ایک روز سڑک پر عبداللہ یوسف علی سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے ایک ضروری معاملہ پر گفتگو کرنے کے لئے مجھے اپنے مکان پر مدعو کیا۔ جب میں انکے یہاں حاضر ہوا تو وہ رازداری کے لہجے میں کہنے لگے کہ ڈاکٹر اقبال آجکل بہت تیز نظمیں لکھ رہے ہیں - حکومت ہند کے خفیہ محکمے میں ان کا فائل کھل گیا ہے۔ آپ ان سے کہ دیجئے گا کہ ذرا محتاط رہیں۔ وہ زمانہ بڑا نازک تھا اور حکومت ہند معمولی سے شبہ پر بھی لوگوں کو گرفتار کر لیتی تھی۔ لاہور آکر یہی بات میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہی۔ وہ سن کر چپ ہو رہے۔ سال بھر کے بعد جب اسرار خودی شائع ہوئی انہوں نے اسے سر علی امام کے نام سے معنون کیا۔ میرا قیاس ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے شاید یہ سوچا ہوگا کہ اگر کبھی حکومت ہند نے ان پر ہاتھ ڈالنے کا ارادہ کیا۔ یا ان کے متعلق کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوئی تو سر علی امام اسکا ازالہ کردینگے . . . بھئی یہ سب قیاس کی باتیں ہیں دلوں کا حال تو وہ عالم الغیب ہی جانتا ہے۔ تاہم جب اسرار خودی کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا تو وہ ڈیڈیکیشن کاٹ دی گئی تھی۔

'چند یادیں چند تاثرات'

ہم نے اوپر بتا دیا ہے کہ عبدالمجید سالک، مولانا غلام رسول مہر اور سر عبدالقادر اور عاشق بٹالوی نے اسرار خودی کا انتساب سر علی امام کے نام سے پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا۔ در اصل اسرار خودی میں جو علامہ نے حافظ شیرازی کے متعلق اشعار لکھ دیئے تھے انکی وجہ سے کچھ ایسا طوفان برپا ہوگیا تھا کہ انتساب پر تو بیشتر علما اور فضلا نے زیادہ غور نہ کیا مگر جن اکابر ملت نے بھی انتساب پر رائے زنی کی انہوں نے اعتراض ہی کیا ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ خواجہ حسن نظامی نے لکھا کہ مثنوی کو سر علی امام سے نامزد کر کے اقبال نے اپنی خودی پر چوٹ لگائی ہے۔ علامہ نے اسکے جواب میں فرمایا :

خواجہ صاحب شاید انتساب کے معنی نہیں سمجھتے انکی خدمت میں عرض ہے کہ اس سے مراد محض اظہار محبت و اخلاص ہے۔ جو دو آدمیوں کے ذاتی تعلقات پر مبنی ہوتا ہے۔ میں نے ان اشعار میں ڈیڈیکیشن (انتساب) کی وجہ صاف لکھ دی ہے۔ آپ ان اشعار کو غور سے پڑھتے تو خود بخود یہ بات معلوم ہو جاتی''

(رسالہ اقبال بابت اکتوبر ۱۹۵۳ء)

پیشتر اسکے کہ ہم انتساب کے سوال پر مزید کچھ تحریر کریں پہلے سر علی امام کے حالات قلمبند کرنا مناسب ہوگا۔

سر علی امام ۱۲ فروری ۱۸۶۹ء میں نیورہ جو پٹنہ کے قریب ایک چھوٹا

سا موضع ہے پیدا ہوئے تھے ان کا خاندان ہمیشہ علم اور فضیلت کے لئے مشہور زمانہ رہا تھا۔ ان کے ایک جد امجد ملاسعد شہنشاہ عالمگیر کے اتالیق رہے تھے اور دوسرے جد امجد نواب سید خان اسی شہنشاہ کے وزیر رہے تھے۔ سر علی امام کے دادا شمس العلما خان بہادر سید وحید الدین ضلع کے اعلی عہدہ پر فائز تھے۔ انکے والد ماجد نواب امداد امام اثر ایک ہمہ گیر طبیعت کے مالک تھے۔ وہ ایک وقت میں طبیب ، ادیب، شاعر تھے اور فارسی اور اردو زبانوں میں بہت سی تصانیف چھوڑ گئے ہیں۔ سر علی امام کے چچا سید شرف الدین گورنر بہار اور اوڑیسہ کی کونسل کے اگیزیکٹو کانسلر تھے اور بعد میں پٹنہ ہائیکورٹ کے جج مقرر ہوگئے تھے۔

سر علی امام نے اردو، فارسی اور عربی کی تعلیم گھر پر والد بزرگوار سے پائی تھی۔ اسکے بعد انہوں نے آرہ ہائی اسکول سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ اسکے بعد پٹنہ کالج میں داخل ہوگئے اور کلکتہ یونیورسٹی سے بی۔اے کی ڈگری حاصل کرکے لندن بیرسٹری کی تعلیم کے لئے چلے گئے۔ اکیس سال کی عمر میں انہوں نے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ اور انہوں نے پٹنہ واپس آ کر پریکٹس شروع کر دی۔ قانون کے پیشہ میں انہوں نے ملک کے گوشہ گوشہ میں شہرت حاصل کی اور آخر ۴۱ سال کی عمر میں لارڈ ہارڈنگ نے ۱۹۱۰ء میں ان کا انتخاب بطور ممبر قانون کے کیا۔ اس عہدہ پر وہ ۱۹۱۶ء تک فایز رہے۔ وائیسرائے کی کونسل کے ممبر کی حیثیت سے انہوں نے بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ انہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ اجڑی ہوئی دھلی پھر ھندوستان کا دارالسلطنت بنا۔ اور یہ انہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۱۲ میں بہار کا صوبہ بنگال سے علحدہ کیا گیا۔

۱۹۱۷ء میں سر علی امام پٹنہ ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے اور ۱۹۱۸ء میں وہ اپنے نامور چچا کی جگہ گورنر بہار کی کونسل کے ایگیزیکٹو کونسلر مقرر ہوئے ان تمام عہدہ ہائے جلیلہ پر فایز رہ کر سر علی امام پر جون ۱۹۱۹ء میں نظام کی نظر انتخاب پڑی اور ان کا تقرر حیدرآباد کے صدر اعظم کی حیثیت سے ہوا۔ اکتوبر ۱۹۲۰ میں حیدرآباد سے لیگ آف نیشنز کے پہلے اجلاس میں ھندوستان کے نمائندہ کی حیثیت سے تشریف لے گئے۔ آخر حیدرآباد کی صدر اعظمی سے ستمبر ۱۹۲۲ میں استفا دیا۔

وہ برسوں تک علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے ٹرسٹی رہے ۱۹۰۶ء میں جو مسلم وفد لارڈ منٹو کے سامنے مسلم مطالبات پیش کرنے حاضر ہوئے تھے وہ اس کے ممبر تھے ۱۹۰۸ میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ امرتسر کے صدر تھے۔ بطور صدر کے جو ایڈرس انہوں نے دیا اس سے انکی شہرت پورے ھند و پاکستان کے برصغیر پر بطور سیاسی لیڈر مسلم ہوگئی۔ بطور قومی لیڈر کے مسلمانان برصغیر کانپور کی مسجد کے سلسلہ میں جو خدمات انہوں نے انجام دیں

وہ کبھی بھولی نہیں جاسکتی ہیں۔ سر علی امام کے مشورہ پر لارڈ ہارڈنگ خود کانپور تشریف لے گئے اور جو ظلم و ستم لارڈ میسٹن کی حکومت نے وہاں کے نہتے مسلمانوں پر گولی چلا کر اور مسجد کا حصہ شہید کر کے کیا تھا اس کی ایک حد تک تلافی کی۔

الغرض ملک اور ملت کی ہر شعبہ میں خدمت کر کے، اور زندگی کے ہر شعبہ میں شہرت حاصل کر کے، سر علی امام نے ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۲ کو رانچی میں جان جان آفرین کے سپرد کی۔ کل برصغیر میں انکی وفات حسرت آیات پر قوم اور ملت اور ہرطبقہ کی طرف سے اظہار رنج و ملال کیا گیا۔

انکے انتقال پر ملال نے پھر انتساب کے معاملہ کی یاد لوگوں کے دماغوں میں تازہ کر دی ۱۹۴۱ء کے موسم سرما میں جناب راجہ صاحب پیر پور میرے مہمان تھے۔ اور ایک دن علامہ مرحوم کا ذکر آ گیا۔ راجہ صاحب فرمانے لگے کہ زندگی میں علامہ کی صحبت کے بہت کم موقعے ملے مگر جب علامہ دوسری گول میز کانفرنس کی شرکت کی غرض سے انگلستان تشریف لے جا رہے تھے تو اس جہاز پر میں اور سر علی امام بھی ہم سفر تھے۔ راجہ صاحب نے فرمایا کہ دن بھر اور رات کے بیشتر حصہ میں علامہ اور سر علی امام جہاز کے عرشہ پر کرسیوں پر بیٹھے رہتے تھے۔ صبح کا ناشتہ کھا کر علامہ اور سر علی امام جہاز کے عشرہ پر آ کر کرسیوں پر بیٹھ جاتے تھے اور دن بھر تصوف اور فلسفہ کی گفتگو کرتے رہتے تھے اور کبھی کبھی میں بھی اپنی کرسی لا کر انکے پاس بیٹھ جاتا مگر ان دونوں اصحاب کی گفتگو ایسی عمیق ہوتی تھی کہ میں اس کا بیشتر حصہ سمجھنے سے قاصر رہتا۔ علامہ اپنے اشعار سناتے اور سر علی امام اردو، فارسی اور عربی کے اشعار سناتے۔ اکثر تصوف کی باتیں ہوتیں۔ اس گفتگو نے میرے دل میں یہ خواہش پیدا کی کہ انتساب کے متعلق مزید تحقیقات کی جائے۔ جب یہ تحقیقات شروع کی تو عجیب انکشافات ہوئے جس شخص کو دنیا ایک بہت بڑے قانون دان اور سیاسی مدبر کی حیثیت سے جانتی تھی وہ علم اور فضیلت کا ایک بحر ذخار نکلا۔ جس کو قدرت نے شعر فہمی کا ایک خاص مذاق عطا کیا تھا اسی عرصہ میں علامہ کا ایک مکتوب ملوجا جہاز سے اپنے ایک دوست کے نام نظر سے گذرا۔ اس خط میں علامہ تحریر فرماتے ہیں:

"جہاز کی روز مرہ کی زندگی کی داستان نہایت مختصر ہے۔ میں اپنی قدیم عادت کے مطابق آفتاب نکلنے سے پہلے ہی تلاوت سے فارغ ہو جاتا ہوں۔ اسکے بعد دیگر حوائج سے فراغت پاتے پاتے بریک فاسٹ کا وقت آ جاتا ہے۔ بریک فاسٹ کے بعد عرشہ جہاز پر ہمسفروں سے گفتگو یا گول میز کانفرس پر جس کی خبریں لاسلکی کے ذریعہ سے ہر روز جہاز پر پہنچ جاتی ہیں، بحث و مباحثہ یا گذشتہ سال کی رپورٹوں کا مطالعہ۔ ہاں کبھی کبھی شعر و شاعری بھی ہو

جاتی ہے۔ سید علی امام کو عربی، فارسی اور اردو کے بے شمار اشعار یادھیں اور پڑھتے بھی خوب ھیں۔ الولد سرلابیہ، ان کے والد ماجد مولانا نواب امدادامام ادبیات اردو میں ایک خاص پایہ رکھتے تھے۔''

(گفتار اقبال — ص ۱۶)

اسی خط میں علامہ تحریر فرماتے ھیں:-

''سید علی امام صاحب کی مغرب زندگی کی کیفیت یہ ہے کہ ایک روز صبح کے وقت عرشہ جہاز پر کھڑے تھے۔ میں بھی انکے ھمراہ تھا۔ میل و فرسنگ کا حساب کرکے کہنے لگے۔ دیکھو بھائی اقبال اسوقت ھمارا جہاز ساحل مدینہ کے سامنے سے گذر رھا ہے۔ یہ فقرہ ابھی پورے طور پر ان کے منہ سے نکلا بھی نہ تھا کہ آنسوؤں نے الفاظ پر سبقت کی۔ ان کی آنکھ نمناک ھوگئی اور بے اختیار ھو کر بولے:

بلغ سلامی روضۃ فیہا النبی المحترم

ان کے قلب کی اس کیفیت نے مجھے بے انتہا متاثر کیا''

(گفتار اقبال ص ۱۴۳)

الغرض علامہ کی زبانی ھی ھم کو یہ معلوم ھوتا ہے کہ علامہ کو سر علی امام کے کن کمالات نے گرویدہ بنا لیا تھا۔ اب یہ کہنا دشوار ہے کہ ان کی کس خصوصیت نے علامہ کو اتنا متاثر کر دیا تھا کہ انھوں اسرار خودی کو ان کے نام نامی پر نہایت پرخلوص اور پر عقیدت اشعار میں معنون کیا۔ ایک طرف تو علامہ نے سر علی امام کی شعر فہمی اور اردو، فارسی، عربی کے بے شمار اشعار کا حفظ یاد ھونے کا ذکر کیا ہے تو دوسری طرف رسول اکرم کی ذات گرامی سے انکے عشق کا ذکر کیا ہے۔

سر علی امام کی شیریں نفسی اور دیگر کمالات کا اعتراف دیگر اکابر قوم نے بھی مختلف موقعوں پر کیا ہے۔ مثلاً مولانا اکبر الہ آبادی خواجہ حسن نظامی کو لکھتے ھیں کہ ''علی امام سے ملیں تو آداب عرض کر دینا بہ صد شوق ملاقات بعض حکما کا خیال ہے کہ نیکی اور عقل مندی ایک ھی چیز ہے۔ سر علی امام کو دیکھ کر اسکی تصدیق ھوسکتی ہے۔ بہت شیریں نفس شخص ھیں''۔

(خطوط اکبر بنام خواجہ حسن نظامی ص ۲۰)

اب سوال یہ ہے کہ علامہ سر علی امام سے پہلی بار کہاں ملے اور ان دونوں عظیم ھستیوں میں دوستانہ مراسم کب قائم ھونا شروع ھوئے۔ ممکن ہے کہ انکی پہلی ملاقات امرتسر میں مسلم لیگ اجلاس کے دوران ۱۹۰۸ء میں

ہوئی ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ علامہ قانونی کام کے سلسلہ میں یا وائسرائے کی کونسل کے ممبر کی حیثیت سے سر علی امام لاہور تشریف لائے ہوں اور وہاں ملاقات ہوئی ہو۔

ایک بار علامہ نے سر علی امام کے لاہور تشریف لانے کے موقعہ پر یہ شعر لکھا تھا

نگاہ دار حقوق است خیرالبشر آیا
مسلمانو مبارک ہو امام منتظر آیا

ویسے جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں سر علی امام وایسرائے کی کونسل کے ممبر ۱۹۱۰ء سے ۱۹۱۶ء تک رہے۔ اور اس عرصہ میں علامہ جب بھی دہلی یا شملہ تشریف لے گئے ہونگے تو سر علی امام سے ضرور ملے ہونگے۔

سر علی امام کی مسٹر گوکھلے سے بھاگلپور میں ملاقات ۱۹۰۹ء میں ہوئی اور اسی ملاقات کے بعد سر علی امام کے سیاسی خیالات عام مسلمانوں کے خیالات سے مختلف رہے۔ ۱۹۰۹ء کے بعد سے وہ اس وفد کے پر جوش رکن تھے جس نے لارڈ منٹو سے ۱۹۰۶ء میں شملہ میں ملاقات کے دوران جداگانہ انتخابات کی پر زور تائید کی تھی۔

دوسری گول میز کانفرنس میں بھی سر علی امام کی نامزدگی ایک قوم پرست مسلمان کی حیثیت سے ہی ہوئی تھی۔ الغرض سیاسی اعتبار سے علامہ اور سر علی امام میں ہمیشہ اختلاف ہی رہا۔ مگر سیاسی اختلافات کے باوجود علامہ سر علی امام کے دوسرے کمالات کا اعتراف کرتے تھے سر علی امام اور علامہ کے مابین خط وکتابت بھی رہی ہوگی مگر ہماری نظر سے یہ خطوط نہیں گذرے ہیں۔ یہ بھی ضروری ہے علامہ نے اسرار خودی، سر علی امام کے نام معنون کرنے سے پہلے صاحب موصوف کی اجازت حاصل کی ہوگی۔ ممکن ہے کہ علامہ نے سر علی امام کو اس اجازت کے متعلق جو خط لکھا ہوگا وہ آئندہ کبھی شائع ہو جائے۔ ان سب خطوط سے علامہ اور سر علی امام کے تعلقات پر مزید روشنی پڑ سکے گی۔ مگر جو مواد ہمارے پیش نظر ہے اس سے بھی یہ ظاہر ہے کہ علامہ سر علی امام کے علم اور حسن اخلاق کے بیحد مداح تھے۔ انکی قانونی قابلیت تو برصغیر میں مسلم تھی۔ اور اس احترام کی ہی بنا پر علامہ نے اسرار خودی انکے نام نامی پر معنون کی تھی۔ اور یہ بھی اظہر من الشمس ہے کہ اسوقت برصغیر میں اس انتساب کے اہل سر علی امام کی ذات گرامی سے موزوں تر شخصیت نہ تھی۔ الغرض یہ صاف ظاہر ہے کہ سر علی امام ایک بہت ہی باکمال شخص تھے اور علامہ کا اسرار خودی کے پہلے اور دوسرے ایڈیشن

اسرار خودی

کا تعنون اس اخلاص، احترام اور انس کے تعلقات پر مبنی تھا جو ان دو عظیم المرتبت اور فخر روزگار انسانوں کے مابین قائم تھے۔ ان تعلقات کی ابتدا کیسے اور کب ہوئی فی‌الحال پردۂ اخفا میں ہے۔ اس ڈیڈیکیشن کے اس سے زیادہ معنی نہیں تھے کہ ایک باکمال شاعر جو قوم کے غم میں خون کے آنسو بہا رہا تھا جب ایک قدر شناس جوہری سے ملتا ہے تو فوراً اسکی زبان سے نکلتا ہے:

آستین از رخ بردار و گوہر را تماشہ کن

جن واقعات کا ہم نے ذکر کیا ہے انکو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ امید کی جاتی ہے کہ آئندہ کوئی صاحب علامہ کی برگزیدہ، محترم، اور قلندرانہ شخصیت کے متعلق ایسے بے سروپا خیالات کا اظہار نکرینگے جن سے اس عظیم انسان کے متعلق کسی بھی غلط فہمی کا امکان ہو۔

یہاں اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ جب علامہ نے ۱۹۲۵ء میں اسرار خودی اور رموز بیخودی کا ایک ایڈیشن اسرار و رموز کے نام سے یکجا شائع کیا تو اس تعنون کو حذف کر دیا اور اب اس تعنون کی حیثیت ایک تاریخی واقعہ سے زیادہ نہیں ہے۔

ہماری مطبوعات

* مکتوبات اقبال

مرتبہ سید نذیر احمد نیازی، سائز ۱۸×۲۲/۸ صفحات ۳۷۲ ۵٫۵۰

* علم الاقتصاد

از شیخ محمد اقبال، ۱۸×۲۲/۸ صفحات ۲۲۱ ۵٫۵۰

* اقبالیات کا تنقیدی جائزہ (دوسرا ایڈیشن)

از احمد میاں اختر جوناگڑھی، سائز ۱۸×۲۲/۸ صفحات ۲۰۲ ۵٫۵۰

* اقبال ایرانیوں کی نظر میں

مرتبہ عبدالحمید عرفانی، سائز ۱۸×۲۲/۸ صفحات ۳۷۷ ۸٫۷۵

* اقبال اور سیاست ملی

از رئیس احمد جعفری، سائز ۱۸×۲۲/۸ صفحات ۳۹۹ ۵٫۵۰

* اقبال اور جمالیات

از نصیر احمد ناصر، سائز ۱۸×۲۲/۸ صفحات ۵۰۲ ۱۲٫۰۰

اقبال کے آخری دو سال (دوسرا ایڈیشن)

از عاشق حسین بٹالوی، سائز ۱۸×۲۲/۸ ۲۰٫۰۰

* اقبال از عطیہ بیگم (دوسرا ایڈیشن)

از ضیاء الدین برنی، سائز ۱۸×۲۲/۸ ۳٫۵۰

* اسلام اور سائنس

از ڈاکٹر رفیع الدین، سائز ۲۰×۲۶/۸ صفحات ۷۳ ۲٫۵۰

* صحیح فلسفہ تاریخ کیا ہے؟

از ڈاکٹر رفیع الدین، سائز ۲۰×۲۶/۸ ۰٫۵۰

* مکاتیب اقبال بنام گرامی

مرتبہ عبداللہ قریشی، سائز ۱۸×۲۲/۸ ۱۲٫۰۰

* انوار اقبال یعنی اقبال کے غیر مطبوعہ خطوط اور بیانات کا مجموعہ

مرتبہ بشیر احمد ڈار، سائز ۱۸×۲۲/۸ صفحات ۳۴۸ ۱۲٫۰۰

اقبال اکادمی

۶-۴۳/ڈی ، بلاک نمبر ۶

پی- ای- سی- ایچ- ایس کراچی ۲۹